مرزا عظیم بیگ: احوال و آثار

ڈاکٹر عالیہ امام
اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، سمن آباد، لاہور

MIRZA AZEEM BAIG: LIFE AND WORK

Alya Imam, PhD
Assistant Professor of Urdu
Govt. Post Graduate College (W) Samanabad, Lahore

Abstract

Mirza Azeem Baig was a pupil of renowned mystic poet Hatim. He later on benefitted from another poet famous for his mystical views i.e., Sauda. Mirza Azeem wrote a divan which has not been traced as yet. His verses are found in different tazkiras and anthologies. Azeem Baig is also known for his poetic quarrel with famous poet Insha. Azeem is a poet of high merit. His poetry shows his command over the art of poetry. This article presents hitherto unavailable information about this forgotten poet and his work.

Keywords:
Kabul, Hindustan, Dehli, Farrakhabad, Rafi Sauda, Insha, Shah Hatim, Yadgaar e Shuara, Majmoa e Naghz

مرزا عظیم بیگ کے آباؤ اجداد کابل سے ہندوستان آئے تھے۔وہ دلی میں پیدا ہوئے اور عمر کا طویل حصہ یہاں گزارا۔پھر فرخ آباد چلے گئے۔مرزا عظیم بیگ کو عظیم بیگ دہلوی بھی کہا جاتا تھا۔ انھوں نے کچھ عرصہ درویشی کی زندگی اختیار کی خصوصاً فرخ آباد میں قیام کے دوران ان کا چلن درویشی رہا۔وہ فرخ آباد سے دوبارہ دلی آگئے اور درویشی کو ترک کر کے دنیاداری کی زندگی بسر کرنے لگے۔

مرزا عظیم بیگ سپاہی پیشہ تھے۔ان کے منہ پر چیچک کے نشانات تھے۔اس وقت شعر و سخن کا چرچا تھا اس لیے مرزا عظیم بیگ بھی دلی کی ادبی فضا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔انھوں نے ابتدا میں شاہ حاتم کی شاگردی اختیار کی۔بعد ازاں مرزا رفیع سودا سے بھی اصلاح لی۔تذکرہ نگاروں نے ان کے سوانحی حالات کی جانب درج ذیل اشارے کیے ہیں:

''عظیم تخلص مرزا عظیم بیگ مرد سپاہی وضع، مولد وے شاہجہان آباد است واصلش از توران است۔از شاگردانِ شاہ حاتم بودہ۔اکثر پیرویِ شیوۂ نظم زطرزِ گفتارِ مرزا رفیع نمودہ۔'' (۱)

''مرزا عظیم بیگ، عظیم تخلص اگر چہ شہرت بہ شاگردیٔ مرزا رفیع سودا دارد امادر ابتدا چندی از شاہ حاتم استفادہ کردہ گویند چند روز در فرخ آباد کسوتِ قلندری بر خود داشت۔حالا باز در لباس دنیائی آمدہ۔فقیر اورا در شاہجہاں آباد دیدہ جوانِ چیچک رو بود۔'' (۲)

مرزا عظیم بیگ کے معاصرین میں حکیم ثناء اللہ فراق شاگردِ میر درد، حکیم قدرت اللہ قاسم شاگردِ خواجہ میر درد، شاہ ہدایت، میاں شکیب شاگردِ میر، شیخ ولی اللہ محبّ وغیرہ شامل تھے۔ان سب کا دربارِ شاہی سے تعلق تھا اور اسی سبب سے خاص و عام انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔مرزا عظیم بیگ کی دوستی قدرت اللہ قاسم کے ساتھ زیادہ تھی اور حکیم ثناء اللہ فراق بھی احباب میں شامل تھے۔یہ سب مرزا مینڈھو خلف نواب شجاع الدولہ کے ہاں مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور مرزا موصوف ان

سب کی حد درجہ عزت و توقیر کرتے تھے۔اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ میر و سودا جیسے لوگ اس وقت دلی میں موجود نہ تھے۔مرزا عظیم بیگ توسلِ شاہی پر بہت ناز کرتے تھے۔(۳)

مرزا عظیم بیگ کا سالِ ولادت کسی تذکرہ نگار نے نہیں لکھا۔قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان کی ولادت تخمیناً ۱۱۷۶ھ یا اس سے قبل ہوئی ہوگی۔کیوں کہ "یادگارِ شعرا" میں ان کا سالِ وفات ۱۲۲۱ھ درج ہے اور اعظم الدولہ سرور نے "عمدۂ منتخبہ" میں مرزا عظیم بیگ کی جواں سال رحلت کا ذکر کیا ہے اور اس طرح تقریباً پینتالیس سال یا کچھ زائد عمر رہی ہوگی۔ان کے مختصر دیوان کا چند تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے لیکن وہ دستیاب نہیں ہے۔

"میرزا عظیم بیگ دہلوی۔۔۔شاہ حاتم اور سودا کے شاگرد تھے اور ۱۲۲۱ھ میں انتقال کر چکے تھے۔" (۴)

تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند کی جلد دوم ص ۱۵۹ پر مرزا عظیم بیگ کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ صاحب دیوان شاعر تھے لیکن ان کا دیوان شائع نہ ہو سکا۔" مرزا عظیم بیگ کا کلام مختلف تذکروں میں محفوظ ہے اور ان منتشر اجزا کو ملا کر ان کے شعری معیار کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

مرزا عظیم بیگ میں انانیت اور خود پسندی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ان کے جذبۂ تفاخر کے پیچھے یہ احساس بھی کارفرما تھا کہ وہ حاتم اور سودا جیسے اساتذۂ فن کے شاگرد تھے۔ان کی خود پسندی کا ذکر بہت سے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے کہ وہ کسی اور کے اشعار کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور اپنے آپ کو برتر خیال کرتے تھے۔ان کا گمان تھا کہ وہ ہندوستان کے صائب ہیں اسی لیے وہ مشاعروں میں صدرِ مجلس بننے پر اصرار کرتے اور دوسروں کے کلام کی تعریف نہیں کرتے تھے۔اعظم الدولہ سرور ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دعویٰ شاعری خیلے درد ماغش متمکن بود۔کسے را ھم سر خود دریں فن نہ می دانست۔" (۵)

مرزا عظیم بیگ کے متعلق ''مجموعہ نغز'' میں بھی اسی طرح کی رائے ملتی ہے:

''خیالِ شاعری در کاخ دماغش چناں پیچیدہ بود کہ خود را صاحب ہندی زبان می پنداشت و شعر ہیچ متنفسے در میزانِ طبعش از خود سری ہاوزنے نداشت۔'' (٦)

مرزا عظیم بیگ کے متعلق سب تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ وہ شاعری کا ہنر رکھتے تھے۔ حاتم اور سودا سے اصلاح بھی لی تھی لیکن ان کی خود پسندی جس درجے تک پہنچی ہوئی تھی اس پایے کے وہ شاعر نہ تھے۔ سعادت خاں ناصر نے ان کے اسی عیب کی طرف ''خوش معرکۂ زیبا'' میں اشارہ کیا ہے کہ تلاشِ شعر میں مشغول رہتے تھے۔ مشاعرے میں صدر پر بیٹھنا ان کا معمول تھا اور کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ کلام کی مثال بھی بطور دلیل پیش کی ہے:

کل چشم خوں فشاں سے گلزار پیرہن تھا
دامن کا تھا جو تختہ، اک تختۂ چمن تھا
اک دن جو نکلا گھر سے خط شعاع کی صورت
بکھرا ہوا بدن پہ ہر تار پیرہن تھا

شعاع کا عین تقطیع میں نہیں آتا۔ یہ اُسی کبر و غرور کا نتیجہ ہے۔ (٧)

مرزا عظیم بیگ کی خودستائی کا ذکر جہاں بہت سے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے وہیں چند ایک نے ان کے متعلق مثبت رائے بھی دی ہے۔ مرزا قادر بخش دہلوی نے ''گلستانِ سخن'' جلد دوم میں مرزا عظیم بیگ کی مہمان نوازی کا ذکر کیا ہے کہ وہ شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ گھر سے نکلتے وقت ایک بٹوا برگ پان اور اس کے لوازمات سے لبریز کر لیتے تھے۔ ایک خادم بھی ہمراہ ہوتا جو دوست احباب راستے میں ملتے، ان کو خادم ایک گلوری پیش کر دیتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک عادت یہ بھی تھی کہ چند روز کے وقفے سے ایک پیالہ کباب لذیذ کا ہر دوست کے ہاں بھجواتے رہتے تھے۔ ان کے حالات چاہے تنگ دستی کا شکار رہوں مگر اس معمول میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔ وہ پان کی تواضع

کی بدولت عوام الناس میں عظیم بیگ گلوری باز مشہور ہو گئے۔ان کے جیسی خاطر تواضع بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہے۔(۸)

مرزا عظیم بیگ کے متعلق مثبت رائے "مجموعۂ نغز" از قدرت اللہ قاسم میں بھی ملتی ہے۔ صاحب تذکرہ مرزا عظیم بیگ کے اچھے دوست تھے اسی لیے ان کی خوش اخلاقی اور مروت کا ذکر کیا ہے:

"شاعر محبت لزوم مرزا عظیم بیگ مرحوم است وے کابل الاصل و جہاں آبادی المولد و بسیار صاحب غیرۃ و عزت است دوست نواز دشمن گداز مروۃ نہاد فتوۃ بنیاد محبت پرور مودۃ ظریف مزاج صاحب ابتہاج یکرو کشادہ ابرو بود۔" (۹)

انشا کے ساتھ ادبی معرکہ

مرزا عظیم بیگ کی وجۂ شہرت ایک معرکہ بھی ہے جو سید انشا کے ساتھ ہوا۔آزاد نے "آب حیات" میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ مرزا عظیم بیگ کو بہت دعویٰ فن تھا لیکن عروض کے متعلق زیادہ نہ جانتے تھے۔ایک دن انشا کے والد میر ماشاء اللہ کے پاس آئے اور ایک غزل سنائی جو بحر رجز میں تھی مگر ناواقفیت کی وجہ سے کچھ شعر بحر رمل میں کہہ دیے تھے۔سید انشا وہاں موجود تھے۔انھوں نے اسے بھانپ لیا اور مرزا عظیم بیگ کی تعریف کی۔انشا نے اصرار کیا کہ اس غزل کو مشاعرۂ عام میں پڑھنا چاہیے۔عظیم بیگ نے حسب فرمائش ایسا ہی کیا۔وہاں انشا نے ان سے تقطیع کی فرمائش کی اور بے چارے عظیم کی بری حالت ہو گئی۔انشا نے اسی پر اکتفا نہ کیا ایک مخمس بھی پڑھ ڈالا جس کا مطلع تھا:

گر تو مشاعرہ میں صبا آج کل چلے
کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے
اتنا بھی حد سے اپنی نہ باہر نکل چلے
پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے
بحر رجز میں ڈال کے بحر رمل چلے(۱۰)

آزاد کے اس بیان کی تائید دیگر تذکرہ نگاروں نے بھی کی ہے مثلاً صدرالدین آزردہ نے ''تذکرۂ آزردہ'' ص ۵۹ پر اس واقعے کو بیان کیا ہے۔ اعظم الدولہ سرور نے ''عمدۂ منتخبہ'' میں عظیم بیگ اور سید انشا کے مابین چپقلش کا ذکر کیا ہے کہ انشا کی ہجو کے جواب میں عظیم بیگ نے مخمس کہہ ڈالا تھا۔ لکھتے ہیں:

''روزے در مجلس مشاعرہ امیر الدولہ میرزا مینڈھو صاحب بہادر میر آتش خلف نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ مرحوم میر انشا تخلص بامشارٌ الیہ معارض شدہ بود۔ میرزائے موی الیہ در ہجو ملیح خان موصوف مخمس برجستہ موزوں نمودہ۔''(۱۱)

مرزا عظیم بیگ نے انشا کی ہجو ملیح کا جو جواب دیا اس کا نمونہ کلام مختلف تذکروں میں درج ہے۔ ''مجموعہ نغز'' میں عظیم بیگ کے مخمس کے ۹ بند درج ہیں اور ان کا غم وغصہ واضح طور پر نمایاں ہے۔ مثال دیکھیے:

موزونی و معانی میں پایا نہ تم نے فرق — تبدیل بحر سے ہوئے بحر خوشی میں غرق
روشن ہے مثل مہر یہ از غرب تا بشرق — شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا کریگا جو گھٹنو کے بل چلے

تھا زورِ فکر میں کہ کہوں معنی و مثال — تجنیس و ہم رعائت لفظی و ہم خیال
فرق رجز رمل نہ لیا میں نے کو سنبھال — نادانی کا میرے نہ ہو دانا کو احتمال
گو تم بقدر فکر یہی کر حمل چلے (۱۲)

''عمدۂ منتخبہ'' از اعظم الدولہ سرور میں یہ مخمس مکمل صورت میں درج ہے۔ آزاد اور دیگر تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ عظیم بیگ کسی صورت انشا کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا مخمس انشا کے مقابلے کا نہ تھا۔ شیفتہ واحد تذکرہ نگار ہیں جو مرزا عظیم بیگ کے مخمس کی تعریف کرتے ہیں۔ ''گلشنِ بے خار'' کے اردو ترجمے میں یہ عبارت مرقوم ہے:

''مرزا عظیم بیگ ۔۔۔انشا اللہ خاں کے اعتراض کے جواب میں جوانھوں نے
مرزا مینڈھو خلف نواب شجاع الدولہ مرحوم کے مشاعرے میں بحر ہزج سے
بحر رمل کی منتقلی کے بارے میں لکھا تھا، بڑی ظرافت کے ساتھ ان سے الجھ گئے
تھے اور ایک اچھا مخمس نظم کیا تھا۔'' (۱۳)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی ''تاریخِ ادبِ اردو'' (جلد سوم) کے ص ۱۱۸۔۱۱۹ پر مذکورہ واقعے کا مختصر سا ذکر کیا ہے کہ عظیم اور انشا کے حامیوں کے دو گروہ بن گئے تھے۔ جو ایک دوسرے پر طنز و تعریض کرتے رہتے تھے۔ یہ سلسلہ کچھ عرصہ جاری رہا۔ آخر کار نواب مرزا مینڈھو اور ولی اللہ محبؔ نے مناسب خیال کیا کہ دونوں فریقین کے مابین صلح کرا دی جائے۔ ایک مشاعرہ میں انشا نے نواب صاحب کے کہنے پر سب کو گلے لگایا اور معاملہ رفع دفع ہوا۔ اس کے بعد بھی مرزا عظیم نے کہا کہ میں نے حسبِ حال اپنے استاد کا شعر تضمین کیا ہے اور درج ذیل بند پڑھا:

عظیم اب کو ہمیشہ سے ہے یہ شعر کہنا شعار اپنا
طرف ہر اک سے ہو بحث کرنا نہیں ہے کچھ افتخار اپنا
کئی سکھن باز کھنڈ کویوں میں ہو نہ ہو اعتبار اپنا
جنھوں کی نظروں میں ہم سبک تھے دیا اُنھیں کو وقار اپنا
عجیب طرح کی ہوئی فراغت گدھوں پہ ڈالے سے بار اپنا (۱۴)

بہر حال اس سارے معاملے میں انشا کا پلڑا بھاری رہا۔

مرزا عظیم بیگ نے تقریباً تمام اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ان کا بنیادی میدان غزل ہی رہا۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے قصائد و رباعیات کا ذکر بھی کیا ہے۔ سب کی رائے ہے کہ عظیم زیادہ صاحبِ علم نہ تھے لیکن مشق کرتے رہتے تھے اور اساتذہ (حاتم و سودا) کے فیض سے کلام میں تاثیر پیدا ہو گئی تھی۔ ان کے ہاں غزل اپنی تمام تاثیر، سوز اور دل کشی کے ساتھ نظر آتی ہے۔ ان کی غزل کلاسیکی رچاؤ کی حامل ہے۔ مصحفی نے ''تذکرۂ ہندی'' میں لکھا ہے کہ ''در شعر تلاشہائے نمایاں می کند'' اور غزل

کانمونہ بھی درج کیا ہے:

تقریر سرگذشت نہ پوچھو کہ خامہ وار　　آتا ہے گریہ ہر سرِ حرف بیان پر
گھر میں بھی اپنے آئینہ ساں منتظر ترا　　حیران کھڑا رہوں ہوں سدا آستان پر (۱۵)

مرزا عظیم بیگ کے کلام کے جو نمونے تذکروں میں ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ غزل کے تقریباً تمام روایتی مضامین ان کے ہاں موجود ہیں۔ سودا کے تتبع میں فارسی آمیز تراکیب نظر آتی ہیں اور کلام میں بلند آہنگ اور شکوہ موجود ہے۔ عظیم کے ہاں بندش کی صفائی ہے اور اچھے انداز میں جذبات کی عکاسی کی گئی ہے:

جوں شمع سوزِ دل بھی یہ شب کو فزود تھا　　ہر مغزِ استخوان سے شعلہ نمود تھا
قطرۂ نیساں کا موتی فی الحقیقت آب ہے　　اشک جو آنکھوں سے ٹپکا کوہر نایاب ہے (۱۶)

مرزا عظیم بیگ کی غزل فصاحت سے مملو ہے۔ وہ اپنے دل کی داستان اس پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ سوزِ دروں لفظوں میں ڈھل جاتا ہے اور سامع پر اثر طاری کر دیتا ہے۔ بات کو عمدگی سے کہنے کا فن عظیم کو حاصل ہے اور ان کے کلام میں نشتریت کے اوصاف بھی نظر آتے ہیں۔ ان کے جو اشعار عشق اور غم کے موضوعات پر ہیں ان میں طرزِ ادا کی دل کشی نمایاں ہے:

لعل کی دل سے توقع تھی سو اخگر نکلا　　سینہ سمجھے تھے جسے آہ سو مجمر نکلا

عقل و ہوش ادھر کو دل کھینچیں ادھر وحشت جنوں　　دیکھیے ہوتا ہے کس کے یہ دریکتا نصیب (۱۷)

مرزا عظیم بیگ کے کلام پر ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی رائے دیتے ہیں:

> ''مرزا عظیم بیگ، حاتم کے شاگردوں میں ان کا درجہ بھی بلند تھا۔ تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن میدان غزل ہی رہا ہے۔۔۔کلام میں خیال بندی، نفاست، لطافت بیان اور مضمون آفرینی کی جھلک ہے۔'' (۱۸)

مرزا عظیم بیگ کے ہاں نازک خیالی بھی ہے۔ وہ معانی کی تلاش کرتے تھے اور باریک

باریک نکتے ان کے ہاں ملتے ہیں۔ان کے مشاہدہ، مطالعہ اور مشق نے ان کے ذہنِ رسا کو اور وسعت بخشی۔ان کے ہاں کئی مضامین اتنے منفرد ہیں کہ داد دیے بغیر چارہ نہیں۔ان کی غزل بندش کی صفائی کا نمونہ ہے اور نازک خیالی نے غزل میں انفرادیت پیدا کر دی ہے۔ان کے بلند تخیل کی چند امثال دیکھیے:

جوں شمع کب چھپے ہے مرے سوزِ جاں کی بات　　　سر کاٹو تو گلے سے ہو روشن زباں کی بات

دیکھا جو دفن کر کے جوں شمع پر ہو فانوس　　　تربت میں دور تن سے بالشت بھر کفن تھا

فارغ ہے کش مکش سے جہاں کی شکستہ دل　　　پہنچے نہ ہاتھ شانے کا چینی کے بال پر (۱۹)

مرزا عظیم بیگ کی نازک خیالی کے متعلق ثنا الحق علیگ لکھتے ہیں:

"شعر کہنے میں دماغ خوب لڑاتے تھے۔اسی لیے کلام بے روح ہے اور دل کی تفسیر سے زیادہ دماغی ورزش معلوم ہوتا ہے۔" (۲۰)

عظیم کے ہاں چند اشعار ضرور بے کیف ہیں لیکن ان کے ہاں مجموعی طور پر اچھے مضامین ہیں اور فنی پہلو عمدہ ہے۔وہ تشبیہ سے بہت کام لیتے تھے اور شمع، خامہ، آئینہ وغیرہ ان کی پسندیدہ تشبیہات ہیں۔تشبیہ کا حربہ استعمال کرنے سے کلام میں پہلوداری پیدا ہو گئی ہے۔عظیم کی تشبیہات روایتی تو ہیں لیکن ان کو اس انداز سے کلام میں لایا گیا ہے کہ فرسودگی نہیں تازگی محسوس ہوتی ہے۔ان کی چند تشبیہات وتلمیحات دیکھیے جن کو عمدگی سے برتا گیا ہے:

نالہ و شور و فغاں ہے تیری دمسازی سے یار　　　ورنہ جوں نَے دل ہمارا محض بے آواز تھا

کب سوز دل بجھے ہے نہ یہ چشم تر عبث　　　جوں شمع پا بگل مجھے رو رو نہ کر عبث
حیرت نے دی نہ فرصت نظارہ ایک پل　　　جوں آئینہ میں چشم سراپا ہوں پر عبث

اتنی تو بدحواسی دیدار کی ہوس پھر　　　بس ہم نے موسیٰ دل دیکھا شعور تیرا (۲۱)

مرزا عظیم بیگ کے ہاں مشکل قوافی بھی نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنی قادرالکلامی کا اظہار کرنے کے لیے مشکل قوافی غزل میں برتے ہیں۔ ان کی غزل فکر اور فن کے لحاظ سے کئی خوبیاں رکھتی ہے۔ مشکل قوافی کا استعمال ہر شاعر کے بس کی بات نہیں ہے۔ جو شاعر ندرتِ فکر کا حامل ہوتا ہے وہی نئے اور مختلف قافیے غزل میں لاتا ہے:

سر چڑھا جورو نے تیرے شانہ کو ہت چھٹ کیا ہے بجا جو شیخ لے ہے یہ تری ڈہاڑی کھسوٹ
رس بھری آنکھیں تو مینوشوں کی ہوتی ہیں عظیم چشم عاشق کا جو رس دیکھو تو ہے پانی کی پوٹ

اوس کے خط سبز نے عالم کو دکھلا سبز باغ کر کے چار آنکھیں بنایا چار ابرو مونڈ مانڈ
علم تو کم ظرف کو لاتا ہے اولٹا جہل پر عاقبت کتے کو گھی پچتا نہیں دیتا ہے چھانڈ

مرزا عظیم بیگ نے چند قصائد بھی کہے تھے جن کی تعریف تذکرہ نگاروں نے کی ہے کہ سودا کی تقلید میں کہے گئے ہیں لیکن ان کا کوئی نمونہ تذکروں میں درج نہیں ہے۔ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان کا معیار بہتر ہی ہوگا۔ عظیم نے چند رباعیات بھی کہی تھیں ان کا نمونہ تذکروں میں موجود ہے۔ مرزا عظیم نے ایک رباعی خواجہ میر درد کی مدح میں کہی تھی۔ ''مجموعہ نغز'' میں یہ رباعی درج ہے:

کی درد کی جو ذات مبارک پہ نظر ہے معنی لولاک کا پر تو اوس پر
ہووے نہ اگر درد قسم ہے کہ عظیم لڑکا نہ تولد ہو ز بطن مادر (۲۲)

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرزا عظیم بیگ نے حاتم اور سودا سے اچھے اثرات قبول کیے۔ ان کا دیوان نایاب ہے لیکن مختلف تذکروں میں جو کلام موجود ہے اس کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے غزل، قصیدہ، رباعی وغیرہ جیسی اصناف میں طبع آزمائی کی تھی۔ ان کی غزل نسبتاً زیادہ بہتر ہے اور اپنے اندر وہ جملہ اوصاف رکھتی ہے جو اچھی غزل کا خاصہ ہوتے ہیں۔ ان کے کمالِ شعری کی تعریف کئی تذکرہ نگاروں نے کی ہے۔ مثال کے طور پر قدرت اللہ قاسم کی رائے ملاحظہ کیجیے:

''شعرش پختگی تمام دارد و در خیال بندی و نازک خیالی خیلے ہنر پردازی بابر روے

کارآرو دریں کار استوار ید طولےٰ داشت و بیشتر معانی بندی می گماشت اکثر غزل درغزل بتلاش لفظ و معنی تا سہ چار غزل میگفت و صنائع بدائع بسیار بکار آرد۔'' (۲۳)

نمونۂ کلام

مرزا عظیم بیگ کا دیوان دستیاب نہیں ہے۔ان کے کلام کو مختلف تذکروں سے یکجا کیا گیا ہے اور یہاں درج کیا جاتا ہے تا کہ ان کے کلام کے منتشر اجزا کو کلیت میں دیکھا جا سکے اور ان کے شعری محاسن و عیوب کا اندازہ کیا جا سکے۔جو اشعار مذکورہ مضمون میں امثال کی صورت میں آ چکے ہیں ان کو بوجہ تکرار و طوالت شامل نہیں کیا گیا جہاں ضرورت پیش آئی ہے صرف وہاں دوبارہ لایا گیا ہے۔جن تذکروں میں نمونہ کلام مفصل ہے ان کو ترجیح دی گئی ہے۔جن تذکروں میں چند اشعار ہی لکھے گئے ہیں ان اشعار کو اسی صورت میں لکھا گیا ہے جب وہ دوسرے تذکروں میں موجود نہیں ہیں۔

مصحفی نے ''تذکرہ ہندی'' میں عظیم کا نمونہ کلام دیا ہے اور صرف غزلیات ہی درج ہیں:

کل چشم خوں فشاں سے گلزار پیرہن تھا　　دامن کا تھا جو تختہ اک تختۂ چمن تھا
کیجیو عظیم کو بھی یارب غریق رحمت　　آوارۂ جنوں سا اک صاحب سخن تھا
اور معنی بند ایسا ہندی زباں کا صائب　　ہندوستاں سے لے کر مشہور تا دکن تھا
اک دن جو گھر سے نکلا خطِ شعاع کی صورت　　بکھرا ہوا بدن پر ہر تار پیرہن تھا
اور ماسوائے اس کے کہتے ہیں مرتے مرتے　　عریاں تنی سے اس کا خوگر زبس بدن تھا
دیکھا جو دفن کرتے جوں شمع پر ہو فانوس　　تربت میں دور تن سے بالشت بھر کفن تھا

یہاں عذر پذیر ہو بُرے سے نہ بھلے سے　　جوں غنچہ زباں نکلے ہے تک لب کے ہلے سے
اُبھرے ہے تو اے شیشہ تبھی اپنے دموں پر　　نکلا ہے ترا ہاتھ جو پتھر کے تلے سے
کہتے تھے دلا شیریں لبوں سے نہ مل اتنا　　اب مثل مگس فائدہ کیا ہاتھ ملے سے

چھپتا ہے کوئی شمع صفت سوز دل اپنا   سر کاٹو اگر تو ہو نمودار گلے سے
گلریز کی مانند جز آتش کے عظیم اب   لائے نہ کبھی بیل مری پھول پھلے سے

پاسِ سخن پھبے ہے یہاں اس کی شان پر   مانندِ خامہ دے جو سر اپنا زبان پر
نام آوری جہان میں ہے باعثِ کلنک   نازاں نہ جوں نگیں ہو تو نام و نشان پر
دل کے بھی غم سے ٹکڑے ہوئے اپنے قال پر   جوں غنچہ تب زبان کھلی عرضِ حال پر

غنیمت ہے عظیم اس جا جو نفریں سن نہ تو اٹھے   پڑے تحسین چو لھے بھاڑ میں اور آفریں ڈوبے (۲۴)

''گلشن ہمیشہ بہار'' میں عظیم کی غزل کے دو اشعار درج ہیں:

آ کر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے   خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے
بالیں پہ میری آ کے دم نزع کل عظیم   رو کر لگا وہ کہنے یہ کیا یار کر چلے (۲۵)

شیفتہ نے ''گلشنِ بے خار'' میں عظیم کی غزل کے چند اشعار لکھے ہیں۔ ایک شعر دیگر تذکروں میں نہیں ملتا اس لیے درج کیا جاتا ہے:

کس نگاہ مست کا زخمی ہوں یا رب میں کہ اب   جائے خوں ہر زخم سے جاری شراب ناب ہے (۲۶)

قدرت اللہ قاسم نے ''مجموعۂ نغز'' میں خاصا مفصل انتخاب شامل کیا ہے جس میں بہت سی غزلیات کے شعر لکھے گئے ہیں:

شوق میں تیرے لگا نام کو عالم کے کلنک   تو بھی تو مثل نگیں گھر سے نہ باہر نکلا

کوزۂ خام مشبک ہے سر چاک چڑھا   یا کہ ہے بر سر گردش دل صد چاک چڑھا
ہوں میں وہ ذات مقدس کہ بگولے کی طرح   بعد میرے لے صبا سر پہ مری خاک چڑھا

موقوف نہ ساقی ہی پہ رکھ کام ہمارا   تو ہی کہیں اے عمر بھر اب جام ہمارا

کیا بلا ہے شیخ تیری ریش پہ رنگ خضاب　　دیکھ کر جس کے تئیں حیران ہے بہرو پیا

جلوہ فرما کل جو میخانے میں وہ مے نوش تھا　　مثل جام و شیشہ دل با دیدہ ہم آغوش تھا
شب جو بزم خوبرویوں میں ہوا اوس مہ کا ذکر　　جوں چراغ خانہ مفلس ہر ایک خاموش تھا

ہر آن ہم غنی ہیں عریاں تنی کی دولت　　جامہ رکھے سو جانے دامن دراز کرنا

کسے دل خالی کریں جوں شیشہ ساعت عظیم　　پر کدورت ہی رہا اپنا تو جو دم ساز تھا

منفعل ازبس ہوا آئینہ اوسے کھا شکست　　چین پیشانی سے اوسکے ہے نمایاں موجِ آب

زور فریادی پھرے ہے تجھ پہ اے خورشید رو　　سر برہنہ کر لہو مل مونہہ کو گھر گھر آفتاب

بعد میرے ہوئی یہاں عشق کو تاثیر نصیب　　مثل سیماب موے پر ہوئی اکسیر نصیب

روشن کرے ہے نام نگیں کر کے رو سیاہ　　ہے اسمیں بھی ہنر جو کرے اختیار عیب

تم نے تو مدت سے پٹکا اپنی نظروں سے ہمیں　　اشک ساں پر ہم ہوئے جاتے ہیں دامنگیر آپ

جوں غنچہ اس چمن سے جو باندھا عظیم رخت　　پھر زیر سر چہ تختہ و ہم زیر پا چہ تخت
خال اوس کے زیر زلف ہے یہ یا کہ ہے عظیم　　مجسا شب فراق میں کوئی سیاہ بخت

کردے ہے دلکو زیادہ صفائی سبک مزاج　　روشن ہے دیکھو آئینہ سے عیب خوب و زشت
خاک غبار خاطر و باد دم حباب　　آب شراب و آتش رنگ گل بہشت
چاروں یہی عناصر موہوم ہو کر بہم　　دل کی ہمارے صانع قدرت نے کی سرشت

خورشید صفت یہاں سر عریاں میں ہمارے　　طرہ کی ہوس کچھ ہے نہ دستار کی حسرة
اے زخم جگر سودۂ الماس سے ہو صاف　　رکھ دل میں نہ اب مرہم زنگار کی حسرة

دیکھ نیرنگی ہمارے رنگ چہرے کی یہاں　　کھل گئی خورشید کے مونہہ پر بھی گھبرا کر بسنت

بھر عمر تمنے سیدھی نہ اے مہرباں کی بات　　حب کی نکی تو کی ہے سدا ہم سے یاں کی بات
ہر بات میں نرالی ہے کچھ تیرے ہاں کی بات　　نکلی سوا نہیں نہ کبھی تجسے ہاں کی بات
جوں تار ساز کب میں کہوں دلستاں کی بات　　نکلے ہے اوس کے ہاتھوں پہ میری زباں کی بات
پیدا کرے جو نام کوئی تو مٹے ہے کھوج　　عنقا کے جی سے پوچھیے نام و نشاں کی بات
ہوں سینہ چاک و چشم تر از بسکہ چوں قلم　　آتا ہے گریہ غیر کے سن کر بیاں کی بات
بیٹھا ہوں سر لیے تری تقریر پر عظیم　　جوں شمع سر کے ساتھ ہے میری زباں کی بات

جوہر کے ہوتے دیکھ تہی دست ہے چنار　　یعنی ہے یہاں کمال پہ رکھنی نظر عبث
جوں برق آ کے پاؤ نہ رکھا کہ پھر گیا　　مجھہ گرم رو کے مت ہو مقابل شرر عبث

رحمت تو مرتبے پہ مرے کر نگاہ آج　　حرمت ہو تیری کل جو کروں میں گناہ آج

سوزش عشق بتاں سے دل میں وہ بھڑکے ہے آنچ　　دیکھ جس کو کوہکن پتھر کی بھی نکلے ہے کانچ

ہوں میں وہ مست ازل ساکن ظلمات کہ جو　　حشر کو بھی نہ سنو کان سے آوازہ صبح

اسقدر پتھر نے کب پایا تھا یارو رنگ سرخ　　کوہکن کے خون کی دولت ہوا ہے سنگ سرخ
یوں تری خاموشی میں لگتے ہیں پیارے لال سب　　جس طرح آپس میں گتہ جاتے ہیں کرتے جنگ سرخ

ہو مکدر دل زمانے سے بنا یہ خشک سرد　　شیشہ ساعت نمط خوں کی جگہ نکلے ہے گرد
خلق کی نظروں سے مل مینا نہو عینک کبھو　　مردم میداں میں رہ نامرد کب ہوتا ہے مرد

سوزش عشق لکھا چاہے تو کر پہلے عظیم　　صفحۂ دل کا زر افشان شرر سے کاغذ

رازِ دل اپنا کہیں رو رو کے شیشے کی طرح　　جو تیری مجلس میں ہم پاویں کہیں اک بار بار

جوں صبح چاک جیب سے ذرہ پھرے نہ آنکھ　　یہاں ہے بشکل مہر نظر تار تار پر
ابھرے ہے مثل شیشۂ ساعت عبث فلک　　اتنا غرور کیجیے نہ مشت غبار پر
فوارہ ساں بلند ہے جن کا کہ حوصلہ　　دریا دلوں کو تنکے میں ماریں ہیں دھار پر

طور کر دیتا تھا جس کا شعلہ گر کہسار پر　　اب شرر ہے خندہ زن اوس آہ آتشبار پر
گر گیا جوں اشک نظروں سے یہ میرا گریہ آہ　　برق تک مارے ہے چشمک میری چشم زار پر

باقی رہے گا ایک نہ قصہ جہان پر　　آ گئے جو ہم بھی اپنی کبھو داستان پر
غم میں تیرے جو یوہیں اوڑاتے پھرینگے خاک　　پہنچے گی کوئی دن میں زمین آسمان پر
چھاتی تو پر تھی اشک سے مانند آینہ　　افشا کیا نہ چشم نے راز نہان پر
لاکھوں ہی مردے یار نے یہاں تو جلا دیے　　عیسیٰ بھی وہاں دھرے ہی رہے آسمان پر

پابوس کو بھی یوں کوئی بیٹھے ہے مونہہ پسار　　رکھیو سمجھ کے شمع قدم شمعدان پر
تاثیر آہ کو خم پیری نہ ہو جو شرط　　ہو منحصر نہ تیر کا لگنا کمان پر
جوں شانہ سینہ چاک ہوں لیکن سوائے شکر　　گذرا کبھی نہ شکوہ سرمو زبان پر

نازاں عبث ہے اپنے تو حسن و جمال پر　　کرتا ہے کوئی دن ہی میں پیدا یہ بال پر

ہر استخواں ہے شمع صفت مشتعل ہما　　جلتے ہیں یہاں تک آتے آتے فرشتے کے بال پر
رہتا نہیں ہے دیدہ بھڑکنے سے شمع کا　　جی مت جلا پتنگ تو ایسی چھنال پر
کہتا ہے وقت خندہ یہ رخسار کا گڑھا　　یعنی کہ جائے بوسہ ہی خالی ہے گال پر
چرخا بنے وہ کاسہ گدائی کا لے عظیم　　پھرتے تھے مثل چرخ ابھرتے جو مال پر

سوزش سے مری بسکہ ہوئی منفعل آتش　　شیشے میں نہیں مے یہ ہوئی مضمحل آتش
بھڑکا ہی دیا آہ نے دامان شفق کو　　اے چرخ سنبھلنا کہ لگی متصل آتش

جھگڑا چکا دو میرے جنوں کا تم اب کے سال　　زنجیر کر کے جوہر شمشیر سے غرض
روشن دلوں کو کورسوادوں سے ہو نہ ربط　　کیا آئینے کو دیدۂ تصویر سے غرض
بانگ و صلوۃ شیخ پہ ناداں نہ جائیو　　یہاں کاٹنا گلو کا ہے تکبیر سے غرض

دیکھ ہے ریگ رواں تک شیشہ ساعت میں بند　　ہے صفائے دل ہی یعنی کرنے کو تسخیر شرط

شب سے کو اشک رواں تا بسحر رکھتی ہے شمع　　خونچکاں میرے سے کب دیدۂ تر رکھتی ہے شمع

ہے اوس کی گلی میں گذر آہ شب و روز　　اوس راہ سے جاتے ہوئے آویگی صبا تنگ

یہ خاکساری مجھے لے فلک تلک پہنچی　　اوڑوں ہوں ابتو ہوا پر برنگ نکہت گل

دل جل کے بجھ گیا ہے کسے شوق باغ و گل　　جوں شمع اب نظر میں برابر ہے داغ و گل
بجھتی ہے آگ صبح کو ہر شمع کی پر آہ　　تم پھر ہوے نہ پر بجھوائے دل کے داغو گل

ہے خاک در سے تری آرزو تیمم کی　　بھرا اگرچہ ہے آب رواں سے خانہ دل

درد دل کہنے کا ازبس ربط کم رکھتے ہیں ہم　　شکل خامے کے زباں کو قلم رکھتے ہیں ہم
کم زباں کہنے کو ہیں جوں خامہ ہم ظاہر میں یار　　ورنہ لسانی زباں کی بیش و کم رکھتے ہیں ہم
اشک ساں پھر گھر میں آنے کی نہیں رکھتے امید　　اے عظیم اوس کی گلی میں جب قدم رکھتے ہیں ہم

داغ جگر کو مفید ہووے ہے مرہم کہیں　　لالہ صفت تب یہ جاے جائیں جو مرہم کہیں

نگاہ یار سے ہو مست یوں ہشیار بیٹھے ہیں　　کہ جوں خورشید ننگے سر سر بازار بیٹھے ہیں
طلب پر بوسے کے زلفیں لگیں بل کھا کے یوں کہنے　　ہم اکثر ایسی باتیں سن کے موتہہ پہ مار بیٹھے ہیں
دماغ اب تو فلک پر ہے بتوں کا جو خدائی پر　　بشکل ماہ نو کھینچے ہوے تلوار بیٹھے ہیں
جگہ کرتی ہے خاک رہ میاں شیشہ ساعت　　دلوں میں گھر بنانے کو سر بازار بیٹھے ہیں
فلک غرے سے ہے سرکش تو اپنا سر فرو کب ہے　　اس اوہی کھوپری پہ مارے ہم بیزار بیٹھے ہیں

شراب و خون دل اے یار یہ نہ ہو وہ ہو　　ہمیں ہیں دونوں سزاوار یہ نہ ہو وہ ہو

حال دل کہنے کی یارب ہم سے کیا تدبیر ہو　　جوں قلم پہلے زباں کٹ لے تو پھر تقریر ہو

چھاتی پھٹیگی سلک گہر ہر صدف کی دیکھ　　موتی پروتے یہاں نگہ اشکبار کو

اشک با لخت دل آئے ہیں خبر کرنے کو　　خانہ بر دوش چلے یعنی سفر کرنے کو
کم ہو اس رشتہ الفت کا سر رشتہ یارب　　سخت آفت ہے یہ سوراخ جگر کرنے کو

خاکساری پہ سیہ چشموں کی مت جا اے دل　　سرمہ سا پھرتے ہیں یہ آنکھوں میں گھر کرنے کو

ق

پر کدورت ہیں زمانے کے یہ میخوار عظیم　　میکدے میں نہ انہیں کہیے گذر کرنے کو

خاک دیں مونہہ میں چو اشیشہ ساعت کی طرح　　پانی مانگے جو کوئی حلق کے تر کرنے کو

ہے جنون عشق سے ازبسکہ پرجوش آینہ　　خاک مل مونہہ کو پھرے ہے خانہ بردوش آینہ
حاجت شرح و بیاں رکھتے نہیں روشن ضمیر　　واقف ہر نیک و بد ہے گو ہے خاموش آینہ
کیوں نہ ہووے دل ہمارا پردہ پوش راز عشق　　خانہ حمام کا ہوتا ہے سرپوش آینہ
سینہ صافوں کو تو نسبت عشق سے تازی نہیں　　سنگ میں باہم شرر سے تھا ہم آغوش آینہ

لگ لگ ترے پاٗسو سے جو رہتی ہے حنا بیٹھ　　تیرے بھی میاں ہاتھ ہیں باندھ اسکو لگا بیٹھ
سر کھینچ نکالا مجھے جوں رشتۂ تسبیح　　سو گھر میں جنوں سے میں رہا سر کو چھپا بیٹھ
جوں قبلہ نما آہ میں آسودہ پس مرگ　　گردش سے تہ سنگ بھی ایکدم نہ رہا بیٹھ

آباد رہیو پیر مغاں اب یہ میکدہ　　ہم بھی لبوں کو یہاں سے تر ایک بار کر چلے
خواہی پیالہ خواہ سبو کیجیو کلال　　ہم تجکو اپنی خاک پہ مختار کر چلے

ہمارے اشک میں ماچین سے لے تا بہ چیں ڈوبی　　یہ طوفاں بھی قیامت کہ ہر ایک سرزمیں ڈوبی
نگاہ ناتواں آنکھوں سے نکلی تھی کہ اشک آیا　　ملولا رہ گیا جی میں کہ ایسی نازنیں ڈوبی

کو شام کے آنے کو وہ کہتا ہے عظیم اب　　میں جانو کبھی آے جو وہ صبح تلک بھی

جلتی ہے شرح سوز سے میری زبان کلک　　ہر دم ملے ہے لے جو سیاہی دوات سے

میں آہ کیونکہ کہوں حال دل کہ مثل تفنگ　　صدا نکلنے سے آگے دہن میں آگ لگے

دیکھے ہے تری چشم تو کہتا ہے یہ ساغر　　پیانہ ابھی عمر کا یارب کہیں بھر جاے

جوں شیشہ ساعت ہے فلک خانہ پہ گرد　　یوں دور سمجھ آپ کو کتنا ہی ابھر جاے
پتھر بھی نگیں سے ہے سلیماں ترے بہتر　　جو اپنے پس مرگ گجے چھاتی پہ دھر جاے

غبار اب دونوں دل کا ہو فرو جوں شیشہ ساعت　　جو سر گوشی میں یک ساعت تو ہم سے ہو بہم بیٹھے

ہے کماں یا ماہ نو ابرو ہے یا محراب عشق　　یا کسی عاشق کے بیارے قتل کو شمشیر ہے
سرخ یہ تکمہ ہے یارب یا ستارہ آتشی　　یا کسی عاشق کا خوں اوس کے گریباں گیر ہے

پریشاں ہیں حواس اپنے سلیقہ دیکھ شانے کا　　کھلایا ہاتھ میں ناگن کو جس پر خشکہ ستی ہے

جس طرح آتا ہے میم وہے اوپر ابر سیاہ　　اوس طرح لپٹے ہے تیرے موںہہ پہ زے ولام فے (۲۷)

اعظم الدولہ سرور کے ہاں غزل، رباعی اور مخمس کے نمونے ملتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

سوز دل جوں شمع میرا سب پہ روشن ہو گیا　　مجھ کو اب جینا بھی اپنا بار گردن ہو گیا

حال دل کہنے کی یارب ہم سے کیا تدبیر ہو　　جوں قلم پہلے زباں کٹ لے تو پھر تقریر ہو

اپنے ہی دل کا اثر اس کا مگر دمساز تھا　　نالۂ نے کا بھی شب کو زور ہی انداز تھا

ساقیا مے کی ہوس مدت سے کم رکھتے ہیں ہم　　خون دل اپنے سے رغبت دم بدم رکھتے ہیں ہم

دامان ریش پردۂ عصمت ترا ہے شیخ　　یک مو، جو سر نہ فاش ہوا اس نے ڈھانکی بات

ابرو ہے حرم، زلف ہے اسلام ہمارا　　کاکل ہے ترا جامۂ احرام ہمارا

رباعیات

نواب کے گھر میں گر خدائی ہو گی   اور عرش بریں تلک رسائی ہو گی
جوں آئنہ آب و ناں کے دھوکے میں عظیم   خلقت پہ سدا ہی صفائی ہو گی

پوشاک پہن کے سج بنائی تو کیا   جوں آئنہ کی جو خود نمائی تو کیا
موہوم ہے جوں عکس نظر میں یہ شکل   آئی تو کیا وگرنہ آئی تو کیا

مخمس

مخمس در ہجو ملیح گفتہ

جو تو مشاعرے کو صبا آج کل چلے   کہیو عظیم سے کہ ذرا تو سنبھل چلے
اتنا نہ اپنے شعر پہ کرنا وہ بل چلے   کل ہی تو یار پڑھنے غزل در غزل چلے
بحر رجز کو چھوڑتے بحر رمل چلے

کہتا ہوں دوستی سے نہیں کچھ یہ مکر و فن   تبدیل بحر پر کئی واں صاحب چمن
یعنی نئی وہ ناگنی ٹنکی پہ جس کا پھن   ٹکرا کے تم سے کیا کہوں میں از لب و دھن
زہر اب ستم و طعن وہ کیا کیا اگل چلے

ہر چند تم تو فن سخن میں تھے بے نظیر   صائب ہوا پنے وقت کے ہم شوکت و اسیر
سمجھو بہ قول سعدی نہ دشمن کو پر حقیر   تھم کر پڑھو جو شعر تو ہو کیوں خردہ گیر
نہ یہ روانی جیسے کہ دریا ابل چلے

(جواب عظیم)

القصہ سن عظیم صبا سے یہ سب بیاں   بولا یہ ان سے کہہ تو ذرا جا شتاب واں
شاعر تو تھے ہی تس پہ ہو تم صرف نحوداں   معذور کیا تمہاری فصاحت سے مہرباں
جو پیش خان عالی کے رد و بدل چلے

وہ فاضل زمانہ ہو تم جامع علوم   تحصیل صرف ونحو سے جن کی مچی ہے دھوم
رمل و ریاضی حکمت و ہیئت جفر نجوم   منطق بیان معانی کہیں سب زمیں کو چوم
تیری زبان آگے نہ دہقاں کا ہل چلے

اک دو غزل کے کہنے سے بن بیٹھے ایسے طاق   دیوان شاعروں کے نظر سے رہے بہ طاق
ناصر علی نظیری کی طاقت ہوئی ہے طاق   ہر چند ابھی نہ آئی ہے فہمید جفت طاق
تنگری تلے سے عرفی و قدسی نکل چلے

موزونی و معانی میں پایا نہ تم نے فرق   تبدیل بحر سے ہوے بحر خوشی میں غرق
روشن ہے مثل مہر یہ از غرب تا بہ شرق   شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

نزدیک اپنے آپ کو کتنا ہی سمجھو دور   پر خوب جانتے ہیں مجھے جو ہیں ذی شعور
وہ کون سی بحر ہے کہ نہیں جس پہ یاں عبور   کب میری شاعری میں پڑے شبہ سے قصور
بن کر قمل نکالنے کو تم خلل چلے

تھا زور فکر میں کہ لکھوں معنی و مثال   تجنیس و ہم رعایت لفظی وہ ہم خیال
فرق رجز رمل نہ لیا میں نے کو سنبھال   ناوانی کا مری نہ ہو دانا کو احتمال
کو تم بہ قدر فکر یہی کر حمل چلے

ہے امتحان زور تو یہ پیش عقل مند   میرے سے تم قصیدہ کہو یا کہ قطعہ بند
کو ہجو اس میں ہو مری لیکن ہو دل پسند   یہ بات ہے نرالی کہ دروازہ کر کے بند
دشنام دینے گھر میں محل بے محل چلے

میرا سا شعر کب ہو پڑھی کو کہ نحو و صرف   ہووے بیان معانی سے میرے یہاں نہ حرف
منطق سے کیا ہو نطق کا پایہ نہ ہو جو ظرف   منقول کی بھی عمر کی معقول ہے نہ صرف
ہیئت پڑھے سے اور ہی ہیئت بدل چلے

کم ظرفی سے تمھیں تو یہی آئے ہے امنگ   کیجیے نمود خلق میں اب کر سخن کی جنگ
اپنے تئیں تو بخشیے آتا ہے یار ننگ   اتنا بھی رکھیے حوصلہ فوارہ ساں نہ تنگ
چلو ہی بھر جو پانی میں گز بھر اچھل چلے
کیوں جنگ گفتگو کو تم اٹھ دوڑے اس قماش   کرتے جو بھاری پانچہ ہوتا نہ راز فاش
پر سمجھیں کب یہ بات جو کندے ہیں ناتراش   تیغ زباں کو میان میں رکھتے تم اپنی کاش
ناحق جو تم ازار سے باہر نکل چلے
دے طول مت عظیم کر اب مختصر کلام   دشمن پکاریں دل میں پڑے کو خیال خام
تیری انہوں کی بات میں ہے فرق صبح و شام   تقریر کو بڑھا نہ زیادہ کہ اب کلام
بحر سخن کی موج سے بھر جل کے تھل چلے
اس گفتگو سے رکھ تو غرض اب زباں کو باز   مانند شمع سوز سے کر بلکہ دل گداز
اتنا سخن پہ اپنے نہ کر یاں غرور و ناز   جوں شعلہ سرکشی سے ہوئی جو زباں دراز
افسوس ہی میں اپنے وہ پھر ہاتھ مل چلے   (۲۸)

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) مفتی صدرالدین آزردہ، تذکرۂ آزردہ، مرتبہ ڈاکٹر مختارالدین احمد، پاکستان: انجمن ترقی اردو، طبع اوّل ۱۹۷۴ء، ص ۵۹

(۲) غلام ہمدانی مصحفی، تذکرۂ ہندی، لکھنؤ: اترپردیش اکادمی، طبع اوّل ۱۹۸۵ء، ص ۱۵۷

(۳) محمد یعقوب عامر، ڈاکٹر، اردو کے ادبی معرکے، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو ص ۷۶۔۷۸

(۴) طفیل احمد (مترجم)، یادگار شعرا، الہ آباد: ہندوستانی اکیڈمی، طبع اوّل ۱۹۴۳ء، ص ۱۴۴

(۵) اعظم الدولہ سرور، عمدۂ منتخبہ، دہلی: شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، طبع اوّل مارچ ۱۹۶۱ء، ص ۴۱۶

(۶) قدرت اللہ قاسم، مجموعۂ نغز، (مرتب) حافظ محمود شیرانی، دہلی: نیشنل اکادمی، اکتوبر ۱۹۷۳ء، ص ۲

(۷) سعادت خاں ناصر، خوش معرکۂ زیبا، (مرتب) مشفق خواجہ، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل اپریل ۱۹۷۰ء، ص ۹۴

(۸) قادر بخش صابر دہلوی، گلستانِ سخن، جلد دوم، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل ۱۹۹۶ء، ص ۲۲۲

(۹) قدرت اللہ قاسم، مجموعۂ نغز، ص ۱

(۱۰) آزاد، محمد حسین، آبِ حیات، لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۶ء، ص ۳۱۸۔۳۱۹

(۱۱) اعظم الدولہ سرور، عمدۂ منتخبہ، ص ۴۱۷

(۱۲) قدرت اللہ قاسم، مجموعۂ نغز، ص ۱۳

(۱۳) مصطفیٰ خاں شیفتہ، گلشنِ بے خار (اردو ترجمہ)، کراچی: نفیس اکیڈمی، طبع اوّل دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ۱۹۰

(۱۴) محمد یعقوب عامر، ڈاکٹر، اردو کے ادبی معرکے، ص ۸۶

(۱۵) غلام ہمدانی مصحفی، تذکرۂ ہندی، ص ۱۵۸

(۱۶) اعظم الدولہ سرور، عمدۂ منتخبہ، ص ۴۱۷۔۴۱۸

(۱۷) قدرت اللہ قاسم، مجموعۂ نغز، ص ۲۔۳

(۱۸) نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر، دہلی کا دبستانِ شاعری، لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۶ء، ص ۱۹۷

(۱۹) اعظم الدولہ سرور، عمدۂ منتخبہ، ص ۴۱۸۔۴۱۹

(۲۰) ثناالحق علیگ، میر و سودا کا دور، کراچی: ادارہ تحقیق و تصنیف، سن ندارد، ص ۴۴۸

(۲۱) قدرت اللہ قاسم، مجموعہ نغز،ص ۲۔۵

(۲۲) ایضاً،ص ۱۲

(۲۳) ایضاً،ص ۱

(۲۴) غلام ہمدانی مصحفی، تذکرۂ ہندی، ص ۱۵۶۔۱۵۷

(۲۵) نصر اللہ خان خویشگی، گلشن ہمیشہ بہار، (مرتب) ڈاکٹر اسلم فرخی، پاکستان: انجمن ترقی اردو، اشاعت اوّل ۱۹۶۷ء، ص ۲۲۷

(۲۶) مصطفیٰ خاں شیفتہ، گلشن بے خار، ص ۱۹۱

(۲۷) قدرت اللہ قاسم، مجموعہ نغز، ص ۲۔۱۲

(۲۸) اعظم الدولہ سرور، عمدۂ منتخبہ، ص ۴۲۰۔۴۲۳